کتاب پر تبصرہ

کتاب کا نام : گنجے فرشتے
مصنف : سعادت حسن منٹو
ناشر : مکتبہ شعر و ادب
سال اشاعت : سن ندارد
صفحات : ۳۰۹
قیمت : چالیس روپے
تبصرہ نگار : ڈاکٹر فرح گل بقائی*

سعادت حسن منٹو کو ۲۰۱۲ء میں پہلی بار حکومت پاکستان نے سراہا اور بعد از مرگ ان کو ستارۂ امتیاز(Order of Excellence) سے نوازا۔ سعادت حسن منٹو کو چھے دفعہ عدالت میں حاضر ہونا پڑا، وہ بھی اپنی نگارشات کی وجہ سے۔ منٹو جج کے سامنے صرف ایک ہی استدعا کرتے تھے کہ بخدا میں نے اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھا۔ جو کچھ معاشرہ میں ہوتا دیکھا اس کو ضبط قلم کیا ہے۔ مصنف اپنی خوشی سے ایسا لٹریچر نہیں لکھتا۔ وہ یہ ساری داستانیں، افسانے ایک دکھ کرب اور رنج کے تحت لکھتا ہے۔ وہ معاشرے کے ناسور اور اپنے دکھ کو عوام کی عدالت میں لے آتا ہے۔ اب معاشرہ اس کو لعن طعن کرے یا سر آنکھوں پر بٹھائے یہ معاشرہ کی سمجھ بوجھ پر منحصر ہے۔

شعبۂ تحقیق سے دلچسپی رکھنے والوں کی ملاقات اس کتاب میں قائد اعظم محمد علی جناح کے ڈرائیور حنیف آزاد سے ہوتی ہے، جو بانی پاکستان کے اُن نقطہ ہائے زندگی سے آگاہ کرتا ہے جہاں محققین کی نظر نہیں جاتی کہ قائد کو صحت مند اور خوبصورت لوگ پسند تھے۔

---

* سینئر ریسرچ فیلو، قومی ادارہ برائے تحقیقِ تاریخ و ثقافت، قائد اعظم یونیورسٹی، اسلام آباد۔

ان کے اردگرد گول مٹول اور تنومند لوگ رہتے تھے۔ منٹو کے خیال میں چوں کہ ان کی جسمانی صحت کمزوری کی طرف مائل تھی، اس لیے وہ فروا جسم یا ہیت کے لوگوں کو پسند کرتے تھے۔ حنیف آزاد کو گاڑی چلانی نہیں آتی تھی۔ وہ ان لوگوں کی صف میں کھڑا ہو گیا جو قائداعظم کے ڈرائیور کی درخواست لے کر آئے تھے، کسی اخبار میں اشتہار دیکھ کر۔

آزاد قائداعظم کی گیراج میں ملازم تھے اور قائداعظم کے متعلق دلچسپ باتیں منٹو کو بتائیں جو منٹو نے ''میرا صاحب'' کے عنوان سے قائداعظم کے متعلق تحریر کیں۔

حنیف آزاد کی امپیرئل فلم کمپنی کے مالک سیٹھ دیشر ایرانی کے موٹر ڈرائیور بُدھن سے دوستی تھی اور اس دوستی میں بدھن نے آزاد کو سیدھی سڑک پر گاڑی چلانی سکھا دی۔ اس کے علاوہ گاڑی کے متعلق معلومات میں آزاد صاحب کا علم صفر تھا۔

محمد حنیف آزاد کے مطابق بہادر یارجنگ مرحوم قائداعظم کے بہترین دوستوں میں سے تھے۔ صرف انہی سے ان کے مراسم بہت بے تکلفانہ تھے وہ جب بھی ان کے یہاں قیام کرتے تو دونوں شخصیتیں ٹھیٹ دوستانہ انداز میں قومی اور سیاسی مسائل پر غور کرتی تھیں۔

محمد حنیف آزاد نے بتایا کہ قائداعظم کو توانا لوگ پسند تھے۔ جس طرح علامہ اقبال کو بلند قامت چیزیں پسند تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ اپنے ملازموں کا انتخاب کرتے وقت وہ جسمانی صحت اور طاقت سب سے پہلے دیکھتے تھے۔

اس زمانے میں جس کا ذکر حنیف آزاد کرتا ہے، قائداعظم کا سیکرٹری مطلوب بڑا وجیہہ آدمی تھا۔ جتنے ڈرائیور تھے سب کے سب صحت کا بہترین نمونہ تھے۔ کوٹھی کے پاسبان بھی اس نقطۂ نظر سے چنے جاتے تھے۔ اس کا نفسیاتی پس منظر اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ جناح کی صحت بہت ہی لاغر اور نحیف تھی مگر طبیعت چونکہ بے حد مضبوط اور زور آور تھی اس لیے کسی ضعیف اور نحیف شے کو خود سے منسوب ہوتا پسند نہیں کرتے تھے۔

اس کتاب میں مصنف نے آغا حشر، اختر شیرانی، میرا جی، باری صاحب، عصمت چغتائی، شیام، نسیم بانو، اشوک کمار، نرگس، ڈیسائی، بابو راؤ پٹیل اور آخر میں سعادت حسن منٹو نے بذات خود اپنی خاکہ نگاری بھی اُتنی ہی تیکھے انداز میں پیش کی جتنی باقی حضرات و

خواتین کے ساتھ ان کے قلم نے روا رکھی۔

سعادت حسن منٹو نے تقریباً درجن بھر افراد کا خاکہ پیش کیا ہے۔ یہ افراد فلم انڈسٹری سے تعلق رکھتے تھے۔ بقول ممتاز شیریں ''منٹو آدم کی جرأت گناہ کا قائل ہے۔ منٹو کا انسان نُوری ہے نہ ناری ہے، وہ آدم خاکی ہے ...... وہ وجودِ خاکی جس میں بنیادی گناہ، فساد، قتل و خون وغیرہ کے باوجود خدا نے نوری فرشتوں کو حکم دیا تھا کہ اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جائیں۔

کرشن چندر کہتا ہے: ''منٹو نے زندگی کے زہر اب کو بہت قریب سے دیکھا ہے، چھوا ہے، چکھا ہے اور اب وہ ایک نشتر بن کر سماج کے فاسدمادے کو خارج کرنا چاہتا ہے۔ مریض چیختا ہے، چلاتا ہے، بین کرتا ہے، منٹو کو اس کی پرواہ نہیں وہ اس قدر بے رحم ہے کہ کلوروفارم دینا بھی پسند نہیں کرتا۔''

بقول محمد حسن عسکری ''منٹو نہ تو کسی کو شرم دلاتا ہے نہ کسی کو راہِ راست پر لاتا ہے۔ وہ تو بڑی طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ انسانوں سے یہ کہتا ہے کہ تم اگر چاہو بھی تو بھٹک کے بہت دُور نہیں جا سکتے اس اعتبار سے منٹو کو انسانی فطرت پر کہیں زیادہ بھروسہ نظر آتا ہے۔''

منٹو کی کہانیوں، افسانوں اور خاکہ نگاری میں قاری حضرات کو اعتراضات رہتے ہیں۔ مگر حضرت انسان کا بھی تجزیہ کیا جائے تو اُس میں بیک وقت اچھائی برائی اور انواع و اقسام کی خوبیاں خامیاں ہیں۔ قاری بس پڑھتا جائے اور کسی کہانی کو اپنے اُوپر طاری نہ ہونے دے۔ ''دنیا ہے تماشہ میرے آگے'' کا تصور لے کر اس کتاب وادی سے اپنے مَن کا سودا اِکھٹا کر لے۔

کچھ سعادت حسن منٹو کے بارے میں

سعادت کی پیدائش گاؤں پپڑودی سمرالا، لدھیانہ (ضلع) میں ہوئی۔ آپ کا تعلق کشمیر سے تھا اور خاندان کے زیادہ تر افراد وکالت کے پیشہ سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ ۱۱ مئی ۱۹۱۲ء کو پیدا ہوئے۔ منٹو کی زندگی میں نیا موڑ عبدالباری علیگ سے ملاقات کے بعد آیا۔ علیگ نے اُن کو ترغیب دلائی کہ وہ روسی اور فرانسیسی لکھاریوں کا مطالعہ کریں۔ کچھ ہی مہینوں میں منٹو نے وکٹر ہوگو کی کتاب *The Last Day of a Condemned Prisoner*

کا اُردو ترجمہ کر ڈالا جس کا عنوان ہے ''سرگزشتِ اسیر'' جو لاہور کے پبلشر اُردو بک سٹال نے شائع کی۔ اِسی دوران منٹو کو لدھیانہ کے روزنامے ''مساوات'' میں نوکری مل گئی۔

کچھ عرصے بعد منٹو نے علی گڑھ یونیورسٹی میں بی اے کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے داخلہ لے لیا۔ یہاں ان کی ملاقات علی سردار جعفری سے ہوئی۔ کچھ عرصہ ترقی پسند لکھاریوں کے ساتھ گزارا اور ایک کہانی تخلیق کی جس کا عنوان تھا ''انقلاب پسند'' یہ علی گڑھ یونیورسٹی کے مجلّہ میں شائع ہوئی۔

سعادت حسن منٹو آل انڈیا ریڈیو کی اُردو نشریات کے لیے کام کرتے تھے۔ کئی ڈرامے تخلیق کیے، کئی کہانیاں لکھیں۔ پھر ۱۹۴۳ء میں ریڈیو کے ڈائریکٹر ن م راشد سے اختلاف کی بنا پر منٹو نے نوکری چھوڑ دی اور فلم کی دنیا کی طرف چل پڑے۔ وہاں آپ نے تین فلمی کہانیاں تحریر کیں۔ اُن میں آٹھ دن، چل چل رے نوجوان اور مرزا غالب جو ۱۹۵۴ء میں منظرِ عام پر آئی۔

اُن کی کہانیوں کا مجموعہ ''چغد'' ۱۹۴۵ میں شائع ہوا۔ بمبئی میں آپ ۱۹۴۸ء تک مقیم رہے اور وہاں پر آپ نے لوگوں کو انڈیا کی آزادی کا جشن مناتے دیکھا۔ آپ کے دل میں یہ خیال اُمڈ اُمڈ کر آتا کہ جہاں انسانوں کا قتل عام کیا جا رہا ہو وہاں کسی قسم کا جشن منانا غیر انسانی فعل ہے۔ منٹو تقسیم سے خوش نہ تھے۔ اُن کے خاندان کے افراد لدھیانہ سے پاکستان ہجرت کر گئے تھے، کیونکہ ہندوستان میں رہنا ان کے لیے ناممکن ہو گیا تھا۔

میانی صاحب قبرستان، لاہور میں اُن کو سپرد خاک کیا گیا۔ احمد ندیم قاسمی اور مرزا ادیب اُن کے جنازہ میں شریک ہوئے۔

اِن کے جنازے کا آخری دیدار کرنے اُستاد، شاگرد نوجوان لکھنے والے اور برقعہ پوش خواتین کی ایک لمبی قطار تھی۔ یہ خواتین لاہور کے بدنامِ زمانہ علاقہ کی تھیں۔ جنازے میں ہزاروں لوگ تو شامل نہیں تھے مگر کچھ سو ضرور تھے۔ شاید منٹو بھی اسی قسم کی رخصتی چاہتے تھے۔ انہیں نوجوان اور بے باک لوگ ہی بھاتے تھے جو زندگی سے بغاوت کرنے کی ہمت رکھتے ہوں۔